میری تمام سرگزشت..........

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

[شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استاذِ حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے جسے جامعہ فاروقیہ کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کر رہے ہیں، اب تک دو ڈھائی سو صفحات ہو چکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہو رہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع و تکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کر دیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں بسا اوقات ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردش لیل و نہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھمیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابل رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابل تقلید نہیں.......... لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کر دیا ہے، تعلیم و تربیت اور دارالعلوم دیوبند میں کے بعض اساتذہ اور ممتاز شخصیات کے تعارف پر مشتمل یہ بارہویں قسط نذر قارئین ہے، امید ہے کہ اسے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا۔ سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے اخذ کیا ہے۔

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو   میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ

(مدیر)]

مدرسے میں پڑھائے گا تو شادی نہیں ہوگی:...... مفتاح العلوم جلال آباد میں ایک سال پورا ہو گیا تھا۔ سال کے اختتام پر ہمارے خالو جان مولوی حکیم محبوب علی خان جو دیوبند میں رہتے تھے، ہماری خالہ کا تو انتقال ہو چکا تھا، انہوں نے دوسری شادی کی تھی، زمانۂ قیام دارالعلوم میں، میں کبھی کبھی ان کی ملاقات کے لیے جایا کرتا تھا، وہ میری طالب علمانہ زندگی سے

مطمئن تھے، ان کی طرف سے اس امر کا اشارہ ملا کہ وہ اپنی صاحبزادی سے میرا رشتہ کرنے کے لیے تیار ہیں، گھر والے مجھے ہمیشہ یہ طعنہ دیا کرتے تھے کہ تو مدرسے میں پڑھائے گا تو تیری شادی نہیں ہوگی، چنانچہ ایک روز جمعرات کو جب میں گھر آیا تو کھانا کھاتے ہوئے میں نے کہا کہ میری شادی ہو رہی ہے، اس پر والد صاحب اور والدہ صاحبہ دونوں نے حیرت سے پوچھا کہ کہاں اور کس سے ہو رہی ہے، تو میں نے ان کو بتایا کہ دیوبند والے خالو جان کے یہاں سلسلہ قائم ہوا ہے، ہمارے والد صاحب نے اپنے ذہن میں ایک دو رشتے میرے لیے تجویز کر رکھے تھے، جب میں نے دیوبند کا ذکر کیا، تو ان دونوں نے کہا کہ ہم نے تو اس لڑکی کو دیکھا نہیں ہے، میں نے کہا کہ آپ جائیں دیکھیں، اگر آپ کی رائے میں وہ مناسب ہو تو اس کو ترجیح ہونی چاہیے اور اگر آپ دیکھنے کے بعد نا مناسب ہونے کا فیصلہ کریں، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، ہمارے والد اور والدہ دونوں دیوبند گئے اور انہوں نے اس رشتے کو پسند کر لیا، چنانچہ ہماری شادی دیوبند میں ہوئی، لوہاری سے بارات نو آدمیوں کے ساتھ بیل گاڑیوں میں دیوبند روانہ ہوئی۔ ہمارے حضرت الاستاذ مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مدرسۂ مفتاح العلوم سے مولانا سید عابد حسین مرحوم اور مولوی رفیق احمد صاحب بھی بارات میں گئے، صبح سے سفر کرتے ہوئے عصر کے قریب ہم لوگ دیوبند پہنچے میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان خانہ میں بارات کا قیام ہوا اور مغرب کے بعد حضرت مولانا اختر حسین صاحبؒ (جو یہاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند کے بڑے بارعب اور بہت مقبول استاذ تھے، مولانا مرحوم اس زمانہ میں شرح جامی، کنز الدقائق نور الانوار وغیرہ پڑھاتے تھے، احقر نے تو ان سے کوئی سبق نہیں پڑھا لیکن طلبہ بتاتے ہیں کہ ان کی تفہیم اعلیٰ درجے کی تھی، وہ سبق میں طالب علم کی نازیبا حرکت پر درسگاہ ہی میں زبانی تنبیہ کے بجائے اپنی عصا استعمال فرماتے تھے، جس کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے موقوف ہو جاتا تھا۔ نکاح میں دارالعلوم سے بھی بعض حضرات نے شرکت کی) نے نکاح پڑھایا اور اگلے دن صبح واپس لوہاری کے لیے روانہ ہوئے۔

دعوت عام...... ہماری والدہ نے بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا، جس میں بلا تخصیص ہر آنے والے کو کھانا کھلایا گیا، اس واقعے سے وہ کشیدگی جو میرے اور والدین کے درمیان موجود تھی ختم ہوگئی، شادی کے بعد حضرت استاد نے میری تنخواہ سو روپے ماہوار مقرر کر دی، جب کہ اس سے پہلے میں تنخواہ نہیں لیا کرتا تھا، اس زمانے میں یہ تنخواہ بڑی تنخواہ تھی، خود مولانا اور دوسرے اساتذہ کی تنخواہیں چالیس روپے سے زیادہ نہیں تھیں، میں اپنی اس تنخواہ سے نوے روپے والدہ صاحبہ کو دے دیا کرتا تھا میرے اس عمل سے میری والدہ صاحبہ مرحومہ بہت خوش ہوتی تھیں اور ڈھیروں دعائیں دیا کرتی تھیں، جب دس روپے اہلیہ کو، حالات چونکہ صحیح ہو گئے تھے اس لیے مجھے پیسوں کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

حضرت الاستاد کی شفقت...... اس واقعے کے بعد ایک خوش گوار تبدیلی یہ آئی کہ حضرت مولانا نے مجھے پابند کیا کہ ناشتہ اور کھانا میرے ساتھ ہوگا، یہ سلسلہ سات سال، پاکستان آنے تک قائم رہا، شادی کے بعد آٹھویں مہینے میں بچے کی ولادت ہوئی، مولانا نے اس کا نام مقیت اللہ خان رکھا، لیکن ڈھائی مہینے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، جلال آباد مدرسے میں عصر کے

بعد ہم لوگ کھیل رہے تھے، طلبا، اساتذہ سب موجود تھے، لوہاری سے بچے کی انتقال کی خبر آئی، تو سب جمع ہو گئے، میں نے قاصد سے کہا جا کر کہہ دو دفن کر دیں، مولانا نے فرمایا کہ تم عجیب آدمی ہو، لوہاری جانا چاہیے، چنانچہ مولانا کے حکم پر میں لوہاری آیا اور اس کے دفن میں شرکت کی، اس کے تین سال بعد پھر ہماری بڑی بیٹی پیدا ہوئی اور بعد میں تمام اولاد تین تین سال کے وقفے سے پیدا ہوئی، جن میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں اور وہ سب الحمدللہ بقید حیات ہیں، بچوں والے ہیں، اللہ تعالیٰ کا بے پایاں کرم ہے، بیٹے اور ان کی اولاد علم وفضل سے آراستہ عالم فاضل حافظ قاری مفتی اور جامعہ فاروقیہ میں خدمت انجام دے رہے ہیں اور احقر کے دست وبازو اور خدمت گزار ہیں، کچھ ابھی زیر تعلیم ہیں۔

بیٹیوں کی اولاد میں کئی بچے حافظ ہو چکے اور بعض ان میں سے جامعہ ہی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیٹیاں اپنے اپنے گھر خوش خرم ہیں۔ ہم نے اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے ساتھ گھر ہی پر عصری تعلیم بھی دلائی ہے۔ مولوی محمد عادل سلمہ اللہ تعالیٰ نے خود پی ایچ ڈی کیا ہے، اور ان کے دو بیٹے انس عادل اور عمیر عادل بی اے کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، ایک بیٹا پیدائشی طور پر ذہنی پسماندگی کا مریض تھا، وہ غیر شادی شدہ ہے، اس کے علاج تو بہت کرائے، لیکن وہ پڑھنے لکھنے کے قابل نہیں ہو سکا اور اب بھی اس کی زندگی غیر متوازن ہے، لیکن وہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔

پانچ سالہ عالم، فاضل کورس..... مفتاح العلوم جلال آباد میں پہلے ہی سال ایک خصوصی جماعت کی تعلیم کا آغاز ہوا، ان میں مولوی محمد یٰسین صاحب، مولوی شفیع اللہ صاحب، مولوی عبداللہ کابلی اور مولوی نصیر احمد صاحب شریک تھے، ان طلبا نے پانچ سال تعلیم حاصل کی اور یہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے مولوی نصیر احمد صاحب ایک سال بعد آئے، ان کی تعلیم چار سال میں مکمل ہوئی، انہوں نے ہدایہ کامل، مشکوٰۃ شریف، مقامات حریری، دیوان متنبی، دیوان حماسہ، نورالانوار، حسامی، حمداللہ، قاضی مبارک، امور عامہ وغیرہ فنون کی تمام کتابیں پڑھیں، مولوی یٰسین صاحب کی تعلیم اردو نوشت وخواند تک تھی۔ مولوی شفیع اللہ صاحب کچھ ابتدائی کتابیں پڑھے ہوئے تھے۔ مولوی نصیر احمد صاحب حافظ قرآن تھے اور ساتویں جماعت تک اسکول پڑھے ہوئے تھے، مولوی عبداللہ کابلی کا حال واضح نہیں تھا۔ انہوں نے میرے پاس ''ہدایہ اولین'' اور مقامات نورالانوار وغیرہ پڑھیں تھیں، پھر وہ چلے گئے تھے، ان طلبا کا سالانہ امتحان دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ نے لیا تھا اور یہ ان کا دوسرا سال تھا۔ ممتحن حضرات ان طلبا کی استعداد اور مختصر مدت تعلیم کی وجہ سے بہت حیران ہوئے، مولانا محمد نعیم صاحب جنہوں نے مقامات حریری کا امتحان لیا تھا فرماتے تھے کہ دارالعلوم میں، اہم مقامات کا تقریری امتحان لیتے ہیں، تو کوئی طالب علم بھی اس طرح امتحان نہیں دیتا، جیسا امتحان ان طلبا نے دیا ہے، ایک مرتبہ مولانا عبدالباری ندوی تشریف لائے، تو حضرت الأستاد نے ان سے ذکر کیا کہ یہ طلبا مقامات، اور ہدایہ اولین وغیرہ پڑھتے ہیں اور ان کی مدت تعلیم کا یہ دوسرا سال ہے اور پھر ان طلبا کو مولانا کے سامنے پیش کیا کہ آپ ان کا امتحان لیں، مولانا نے امتحان تو نہیں لیا، لیکن یہ فرمایا، جو کیفیت آپ بیان کر رہے ہیں، وہ ناقابل یقین ہے، اگر آپ بیان کرنے والے نہ ہوتے تو میں اس کو تسلیم نہ کرتا۔ جس سال میں یہ طلبا فنون کی آخری کتابیں دورۂ حدیث سے پہلے پڑھ رہے تھے تو ان کا

سالانہ امتحان لینے کے لیے حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ اور حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ وغیرہ تشریف لائے۔

مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کے طلبا سے متعلق تاثرات..... حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نے امتحان کے بعد اپنے تاثرات میں لکھا ہے کہ میں نے مدرسوں میں جا کر امتحان لینا چھوڑ دیا ہے، چونکہ اگر میں اپنے مزاج کے مطابق امتحان لیتا ہوں، تو مہتمم حضرات ناراض ہوتے ہیں اور اگر ارباب اہتمام کی رعایت کرتا ہوں تو خلاف مزاج ہونے کی وجہ سے مجھے شاق گزرتا ہے۔ پھر میرا نام رکھ کر لکھا، کہ ان کی خواہش پر میں مفتاح العلوم میں امتحان کی غرض سے آ گیا، تو ڈرتے ڈرتے شروع میں نے آسان سوالات کیے، طلبا کا جواب سن کر میری ہمت ہوئی اور میں نے پھر مشکل سوالات ان سے پوچھے، طلبا کا جواب سن کر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر ان طالب علموں کو یہ کتابیں پڑھانے کے لیے دی جائیں تو یہ بخوبی ان کو پڑھا سکتے ہیں، حضرت مولانا کے یہ تاثرات مفتاح العلوم کی روئیداد میں چھپے ہوئے ہیں، جو اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔ میں نے اپنے الفاظ میں مولانا کے تاثرات کو یہاں ذکر کیا ہے۔

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب رحمہ اللہ کا اظہار مسرت..... مولانا فخر الحسن صاحب دار العلوم کے بیضاوی شریف کے مشہور استاد تھے، اور انہوں نے بیضاوی کی شرح بھی لکھی ہے، انہوں نے ان طلبا کا ''بیضاوی'' کا امتحان لیا تو وہ اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے مجھ سے فرمانے لگے کہ آپ ''بیضاوی'' پڑھاتے ہوئے، شیخ زادے کا مطالعہ کرتے تھے، تو میں نے ان کو بتایا کہ میں نے تو شیخ زادے کا نام بھی نہیں سنا اور بیضاوی بھی صرف سورۃ فاتحہ تک دورے کے سال میں جمعے کے دنوں میں، حضرت مولانا ادریس صاحب سے پڑھی، تو وہ بہت حیران ہوئے اور میں نے الحمدللہ، اس سال بیضاوی سورۂ بقرۃ تک پوری پڑھائی تھی۔

سالانہ دستار بندی کا جلسہ..... دورے کے سال میں ہم نے جلسۂ دستار بندی کا اہتمام کیا تو مولوی نصیر احمد صاحب جن کی مدت تعلیم کل چار سال تھی، انہوں نے پورے ایک گھنٹے فصیح عربی میں تقریر کی مولانا محمد اسلام صاحب جو شاملی کے مدرسے میں ہوا کرتے تھے، اس تقریر کو سن کر حیران تھے اور بار بار یہ کہتے تھے کہ یہ تقریر ان کو کس نے یاد کرائی ہے، وہ چونکہ وہ عربی کے بہت اچھے خطیب تھے اس لیے ان کو حیرت تھی کہ جس شخص کی مدت تعلیم کل چار سال ہے وہ اتنی عمدہ تقریر کیسے کر سکتا ہے، مولوی یٰسین صاحب بحمد اللہ تعالیٰ میرے زمانے ہی میں مدرس ہو گئے تھے اور آج تک وہیں درس دے رہے ہیں اور مولانا رفیق احمد صاحب کے مفتاح العلوم سے چلے جانے کے بعد سے وہ برابر شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مولوی نصیر احمد صاحب عرصہ دراز تک مفتاح العلوم میں دار الافتاء کے صدر رہے ہیں اور حدیث کے اسباق پڑھاتے رہے ہیں، حضرت الاستاد کے انتقال کے بعد وہ مفتاح العلوم سے چلے گئے تھے، پہلے تو وہ ضلع مظفر نگر میں کسی

مدرسے میں کام کرتے رہے پھر دو سال کے بعد انہوں نے بڑوت میں ایک ادارہ قائم کیا، جواب بھی قائم ہے، لیکن مولانا نصیر احمد صاحب کا انتقال ہو چکا ہے

ایک طالب علم کی عجیب داستان...... مظاہر علوم سہارن پور کی شاخ کے ناظم مولانا جمیل الرحمان جن کی نخاسہ بازار میں جنرل مرچنٹ کی بہت بڑی دکان بھی تھی، ان کے صاحبزادے ظل الرحمن جب تقسیم کے بعد فسادات کا سلسلہ جاری تھا اور افراتفری کا عالم تھا، لوگ ترک وطن کر کے پاکستان بھاگ رہے تھے، تو مولانا جمیل الرحمن کے یہ صاحبزادے بھی والد صاحب کی اجازت کے بغیر پاکستان آگئے، یہاں وہ اپنے چچا مولانا قاری جلیل الرحمن کے پاس سرگودھا آئے، جو سرگودھا کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب تھے، کچھ دن ان کے پاس رہے اور کچھ دوسرے شہروں میں گھومے پھرے اور حالات کی ناموافق ہونے کی بنا پر واپس ہندوستان جانے کے خواہش مند ہوئے۔ مولانا جمیل الرحمن بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ واپس آجائیں۔ چنانچہ پیران کلیر کے عرس میں شرکت کے لیے پاکستان سے آنے والے قافلے میں ظل الرحمن بھی آئے، مگر ان کا سہارن پور میں رہنا خطرے سے خالی نہ تھا، مشہور آدمی کے بیٹے تھے اور ہندو مسلم سب کو، ان کا پاکستان جانا معلوم تھا، اگر یہ سہارن پور میں رہتے تو یقیناً شکایت ہوتی اور پاکستان بھیج دیے جاتے، اسی بنا پر یہ مشورہ ہوا کہ ان کو سہارن پور سے باہر کہیں رکھا جائے، چنانچہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، ناظم مظاہر علوم سہارن پور نے ان کو خط دے کر جلال آباد بھیجا۔ خط احقر کے نام تھا اور اس میں لکھا تھا کہ واشفع له شفاعة شرعية لا تكون على المشفوع عنده ثقيلةً خط لے ظل الرحمن جب میرے پاس پہنچے، تو ان کا لباس بھی طالب علمانہ نہیں تھا اور بالوں کی تراش خراش بھی درست نہیں تھی، میں نے خط پڑھ کر ان سے کہا کہ آپ یہاں نہیں رہ پائیں گے آپ کے لیے یہاں کے قواعد وضوابط کا تحمل ناقابل برداشت ہوگا، میں چونکہ پس منظر سے واقف نہیں تھا، اس لیے میں نے یہ کہا۔ ظل الرحمن نے جواب میں کہا کہ آپ بالکل مطمئن رہیں، میں قواعد وضوابط کی پوری پابندی کروں گا، میں نے کہا پھر ٹھیک ہے، یہ حافظ قرآن تھے اور آٹھویں، یا نویں جماعت تک اسکول پڑھے ہوئے تھے، جب ان کا داخلہ ہوا تو ششماہی امتحان میں صرف ایک ہفتہ باقی تھا اور امتحان جمادی الاولیٰ کے پہلے ہفتے میں ہونے والا تھا، تین مہینے جمادی الاولی، جمادی الثانیہ اور رجب میں انہوں نے تعلیم جاری رکھی۔ سالانہ امتحان رجب کے بالکل آخر میں ہوا، تو انہوں نے ''قدوری'' نفحۃ الیمن، شرح جامی، بحث فعل اور قطبی کا امتحان دیا اور ہر کتاب میں پورے پچاس، پچاس نمبر حاصل کیے۔ شرح جامی، بحث فعل کا امتحان حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے لیا تھا۔ امتحان کے بعد یہ سہارن پور گئے اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سے جب ملے تو انہوں نے حالات دریافت کیے اور تعلیم کے متعلق پوچھا، جب انہوں نے اپنی کتابوں کا اور امتحان کے نتیجے کا مولانا سے ذکر کیا تو ان کو یقین نہیں آیا اور فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے، تین مہینے میں تو درجہ اولیٰ کی کتابیں بھی پوری نہیں ہو سکتیں، اس پر ظل الرحمن نے کہا یہ حضرت میں نے غلط بیانی نہیں کی ہے، آپ جلال آباد سے میرا نتیجہ معلوم کر لیجیے۔ مولانا نے فرمایا جلال آباد سے نتیجہ

معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود اگر تمہارا امتحان لوں، تو کیا تم اس کے لیے تیار ہو، ظل الرحمن نے کہا کہ آپ کی مرضی ہے، جیسے آپ چاہیں، چنانچہ مولانا نے قطبی کا امتحان لیا اور امتحان لے کر اپنے اطمینان کا اظہار فرمایا اور پھر مجھے خط لکھا اور اس میں اپنی بے انتہا مسرت کے اظہار کے ساتھ شکریہ کے الفاظ بھی لکھے، افسوس ہے کہ وہ خط محفوظ نہیں رہ سکا۔

تحصیل علم کے لیے استعفیٰ...... ایک دن عصر کی نماز کے بعد میں اپنی درس گاہ میں مطالعہ کر رہا تھا کہ ایک صاحب شرعی وضع قطع کے ساتھ تشریف لائے، کندھے پر رومال اور ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے ہاتھ میں تھیلا تھا۔ میں سمجھا کہ کسی مدرسے کے سفیر ہیں، یہ مولوی مظاہر حسن کیرانوی تھے، مگر انہوں نے بتایا کہ میں تحصیل کیرانہ میں رقرق امین ہوں آبیانہ وصول کرنے کے لیے تھانہ بھون آیا ہوا تھا، تو حضرت مولانا مسیح اللہ خان کی زیارت کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میں نے ایک طالب العلم ان کے ساتھ کر دیا، تاکہ وہ مولانا کے مکان پر جا کر ملاقات کر لیں اور یہ کہا کہ شام ہوگئی ہے، رات میں آپ میرے پاس قیام کریں، وہ اس پر راضی ہوگئے اور مغرب کے بعد میرے پاس آگئے، میں نے ان سے کہا کہ آپ کی وضع قطع عالمانہ ہے، آپ کہاں تحصیل کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، آپ کو تو عالم بننا چاہیے۔

اگر آپ تیار ہوں تو مختصر مدت میں آپ عالم بن سکتے ہیں، میں نے ان کو خاصی دیر تک اس کے لیے، ہموار کیا اور وہ تیار ہوگئے، چنانچہ یہ فیصلہ ہوگیا کہ وہ تحصیل کے کاغذات واپس کرنے کے لیے کیرانہ چلے جائیں اور استعفیٰ دے کر واپس آجائیں، چنانچہ وہ گئے اور استعفیٰ دے کر واپس آگئے، آدمی ذہین بھی تھے اور محنتی بھی۔

ایک ہی دن میں ''قصص النبیین کے دونوں حصے بمع اجرا پڑھائے...... یہ شعبان کے اوائل کی بات ہے کہ میں نے ایک دن ان کو قصص النبیین کے دو حصے پڑھا دیے اور فاعل، مفعول، مضاف مضاف الیہ اور موصوف صفت، کے قواعد کا اجرا اسی قصص النبیین کے ذریعے کرایا، ایک دن میں دو حصے پڑھ لینے کے بعد ان کا حوصلہ بہت بلند ہوگیا۔ قصص النبیین کے بعد ہدایۃ النحو اور ''قدوری'' کا سبق بھی شروع کرا دیا اور خاصی مقدار ان دونوں کتابوں کی رمضان کے آخر تک ختم ہوگئی، رمضان کے بعد شرح وقایہ، شرح جامی، نور الانوار، قطبی اور مقامات کی جماعت میں وہ شریک ہوگئے، اس کے بعد ایک سال گزرنے کے بعد میرا پاکستان آنا ہوا، وہ بھی یہاں ٹنڈو الہ یار میں، جہاں میں نے تدریس شروع کی تھی، آکر وہ درجہ خامسہ میں شریک ہوگئے، مگر کچھ عرصے کے بعد وہ بیمار ہوگئے۔ ٹنڈو الہ یار کی آب و ہوا ان کو موافق نہ آئی، اس لیے وہ واپس چلے گئے اور انڈیا جانے کے بعد بھی ان کی صحت بحال نہ ہوئی۔ اس لیے اپنی تعلیم مکمل نہ کر سکے، لیکن اس سے یہ ہوا کہ علم دین کی رغبت اور شوق ان کے خاندان میں پیدا ہوا اور ان کے بھائی مولوی عابد حسن جو میرے زمانۂ قیام جلال آباد میں پڑھنے کے لیے آگئے تھے، وہ باقاعدہ عالم بنے اور مولوی مظاہر حسن کا بیٹا بھی باقاعدہ عالم بنا اور اس نے عالم بننے کے بعد عصری علوم کی تعلیم بھی حاصل کی اور پھر وہ علی گڑھ یونیورسٹی شعبہ اسلامیات میں مدرس لگ گیا۔ (جاری ہے......

☆☆......☆☆